قرآن شناسی

حج اور قرآن

شہید مظلوم آیت اللہ ڈاکٹر بہشتی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم: جناب مولانا سید احتشام عباس زیدی صاحب

حج کا اجتماعی پہلو

معاشرہ کے دو نظام

ہم دعویٰ نہیں کرتے کہ معنویت وروحانیت سے سرشار معاشرتی نظام اور اس سے بے بہرہ نظام دو الگ الگ اجتماعی نظام ہیں۔ یا یہ کہ دنیا میں انسانی زندگی کی گاڑی باایمان نظام کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ ہاں یہ ضرور کہتے ہیں کہ معاشرہ کا غیر ایمانی نظام اور وہ نظام جس میں ایمان کی روح کارفرما ہو انسان کی زندگی کو دو الگ الگ رخ عطا کرتے ہیں۔ ایک رخ منظم تو ہے لیکن بے روح اور جاں گسل جب کہ دوسرا معاشرہ ایک باروح نظام سے منظم ہے۔ گویا پہلا نظام مشینی ہے اور دوسرا انسانی۔ یہ سچ ہے کہ انسان بھی ایک مشین ہے (کون کہتا ہے کہ انسان مشین نہیں ہے؟) عالم خلقت کی تمام پیچیدہ سے پیچیدہ ترین مشین اور آج کل بنائے جانے والے پر پیچ کمپیوٹر بھی انسان کے صرف اعصاب اور دماغ کے پیچیدہ نظام کی برابری نہیں کر سکتے (میں فکر واندیشہ سے مربوط نظام کی طرف اشارہ نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ وہ اس سے بھی پیچیدہ ہے) دنیاوی مشینیں تو خون کی گردش اور اس کے کنٹرول کے نظام کے برابر بھی پیچیدگی وظرافت نہیں رکھتیں۔ حتی کہ انسان کے مغز کی ایک باریک سی جھلّی انسان کی زندگی میں جو اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ویسی نزاکت بھی دنیا کی مشینوں میں نہیں ہے۔ بہرحال انسان ایک بہت پیچیدہ مشین ہے۔ لیکن وہ نازک وپیچیدہ ہونے کے علاوہ ایک اور اہمیت کا حامل ہے اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مشین ہونے کے ساتھ ہی روح بھی رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ مشین کی طرح ایک نظم کا محتاج ہے لیکن اسے ایک باروح نظم چاہئے ایسا نظم جس میں ایمان اس کی روح کی طرح اس کی زندگی کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہو۔ یہی انسانی نظام ہے۔ ایمان سے الگ، نظام زندگی کا انسانی نظام ہونا محال ہے۔ ایسا انسان فقط مشینی کردار ادا کرسکتا ہے کہ وقت پر تنخواہ حاصل کرے بجٹ کے مطابق خرچ کرے، بچت کرے، مناسب موقع پر چھٹی لے، یا موقع پر سیر وتفریح کو جائے، وقت سے کھانا کھائے، بروقت نہائے، وقت پر اپنی خواہشات کو پورا کرے، وقت سے سوئے اور جاگے، وقت سے کھیل تماشوں میں شریک ہو، وقت سے خوشی وغم کا اظہار کرے اور حالات فراہم ہوں تو آدم کشی پر بھی اتر آئے یا کبھی جان بوجھ کر یا ناسمجھی میں حیوانوں سے بھی زیادہ بدتر افعال کا مرتکب ہو گویا گھڑیوں میں قید ہو کر لمحوں اور حالات کا غلام بن جائے، یہ سب بھی ایک نظام کے تحت ہے لیکن کیا اسے انسانی نظام کہا

جا سکتا ہے؟

حج کے سفر میں انسان کو اس باروح معاشرہ کا چھوٹا سا نمونہ نظر آتا ہے۔ میں نے خود اس سفر کے دوران یہ بات محسوس کی اور بعد میں لوگوں سے دریافت بھی کرتا رہا ہوں کہ مسافروں کی اتنی کثرت کے باوجود اتنے مختصر سے دنوں میں مسافروں کی اس قدر مسافت طے کرنے کے دوران عام دنیا کے اجتماعات کے مقابلے میں سڑک کے حادثوں اور ایکسیڈینٹ کی شرح بہت کم نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہاں ڈرائیور اور مسافر دونوں ان چند دنوں میں روحانی طور پر خدا کی رحمت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں درحقیقت ایمان کی حکومت کے تحت یہ چند روزہ زندگی ایک خاص کیفیت رکھتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں کوئی ایکسیڈنٹ ہی نہیں ہوتا اور کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔ہوتا ہے، لیکن جو بات قابل دید ہے، یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے اجتماعاتی حادثات اور یہاں کے حادثات میں کتنا فرق ہے۔ اگر یہ حادثات دوگنے یا سہ گنے فرق کے ساتھ بھی ہوتے تو کوئی خاص بات نہ ہوتی، لیکن یہاں تو بڑا فرق ہے اور یہ فرق حقیقتاً مشینی نظم اور باروح نظم کا فرق ہے۔

عرفات میں ظہر سے پہلے کا وقت تھا۔ کچھ لوگ مجھ سے دینی مسائل دریافت کرنے آئے تھے ان میں سے بعض لوگ باہر کے ملکوں سے اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے ایران واپس ہوتے ہوئے حج سے مشرف ہوئے تھے۔ اور بعض ایران سے آئے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ گویا منہ کا مزہ بدلنے اور تنوع کی خاطر اس سفر پر آئے تھے لیکن بعد میں خود ان سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے اپنی زندگی میں بہت سفر کئے لیکن اس سفر سے زیادہ کسی سفر نے ہمیں متاثر نہیں کیا۔ بہر حال ہم لوگ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ میں ان سے فلسفۂ حج کے موضوع پر باتیں کر رہا تھا اور اس گفتگو کو بھی یاد خدا شمار کر رہا تھا۔ میں اگر ان سے کہتا کہ چار ہی دنوں کے لئے یہاں آیا ہوں لہٰذا چاہتا ہوں کہ اس گفتگو کے بجائے زیادہ تر ''یا اللہ یا اللہ'' کا ورد کروں تو اس وقت میرا ذکر خدا کرنا بھی غلط ہوتا، میں اس گفتگو کو بھی یاد خدا سمجھتا رہا اور یہ بات میں نے ان لوگوں سے بھی کہی کہ ہماری یہ گفتگو ان چند دعاؤں کی ہم پلہ ہے جنھیں میں اس قت پڑھنا چاہتا تھا۔ اب یہی میرے لئے دعا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لئے بھی بمنزلہ دعا ہوگی۔ میں ان سے حاجیوں پر اس عبادت کے مثبت اور سازگار اثرات کو بیان کر رہا تھا کہ منجملہ ان میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ اس عبادت میں انسان اپنے آپ میں آجاتا ہے اور اپنی حقیقت کا احساس کر لیتا ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ ابھی جب یہاں آرہا تھا تو اتفاق سے راستے میں مجھے اس خودشناسی کا ایک چھوٹا سا اور جزئی نمونہ نظر آیا۔ ایک خیمہ میں، میں نے فلاں فوجی جنرل کو دیکھا جو بہت ہی سادہ سا لباس پہنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس جنرل کو میں نے پہلے بھی اکثر دیکھا ہے۔ یہ جیسے ہی میدان میں داخل ہوتا تھا اس قدر کڑکتا بھڑکتا اور شور مچاتا تھا کہ خدا کی پناہ دوسروں سے بھی وہ اسی کی توقع کرتا تھا نتیجہ میں جب وہ فوجیوں کی صف کے قریب پہنچتا تھا تو میدان

میں ایک مصنوعی ماحول پیدا ہوجاتا تھا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ وہ اپنے آپ میں آ گیا ہے اور سمجھ گیا ہے کہ اصل میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ تمام ''مصنوعی'' تڑک بھڑک جو اس کے جسم و جان پر طاری کر دی گئی ہے اصل میں فنا اور نابودی کی بنیادیں اور علامتیں ہیں اور وہ ان کا اسیر ہے۔ چار دنوں کے لئے یہاں آیا ہے تا کہ ان سب سے دور ہو کر یہاں کی آزاد فضا میں سانس لے سکے۔ اس شخص نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نے دیکھا کہ وہ جنرل بیٹھا ہوا دعائیں پڑھ رہا ہے اور ذکر خدا میں مشغول ہے اس کی ساری جرنیلی تڑک بھڑک ہوا ہو گئی ہے اور ان چند دنوں میں اس کے چہرے پر پائے جانے والے فرعونیت کے آثار بھی غائب ہو چکے ہیں۔ ان دنوں وہ ایسی جگہ آیا ہوا ہے جہاں اسے ایمان کی ایک جھلک نظر آ گئی ہے۔ اس سے زیادہ کی اس میں صلاحیت بھی تو نہیں ہے۔ اگر ایمان اس سے زیادہ اس میں نفوذ کر جائے تو یہاں سے واپسی پر اسے بدل جانا چاہئے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو حج کے ایک ہی سفر میں پورے طور سے بدل گئے، لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے یہ حضرت بھی ان خوش قسمت افراد میں سے ہوں۔

میں اس جنرل سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہی اس کا نام جانتا ہوں لیکن یہ وہ واقعہ ہے جو اس جوان نے بیان کیا۔ اس نے ایک اچھی بات کہی کہ وہ جنرل یہاں چند دنوں کے لئے آیا اور اس مختصر سی مدت میں اس نے ایمان کی بنیاد پر اپنی زندگی کو ایک دم سے بدل ڈالا اب اس کا قیافہ بھی میدان میں نظر آنے والے دیو جیسا نہیں ہے۔'' اب اگر وہ جنرل مجھ سے آ کر یہ سوال کرتا کہ اگر میں فوج میں جنرل ہونے کی حیثیت سے اپنے ماتحت سپاہیوں سے بلاوجہ باتیں کروں یا ان سے ہنسی مذاق کروں تو کیا میں ایک باایمان سپہ سالار کہلا سکتا ہوں؟ تو میں اس سے کہتا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ایسے ہو جاؤ بلکہ تم اپنی حیثیت پر غور کرو۔ تم ایک مسلمان، شیعہ ہو اور علیؑ تمہارے پیشوا ہیں جو خود میدان جنگ کے عظیم سپہ سالار تھے۔ یا ان سے بڑھ کر پیغمبر اسلامؐ کے سلسلے میں غور کرو کہ یہ دونوں سپہ سالار میدان جنگ میں اپنے ماتحتوں سے کیسا سلوک کرتے تھے۔ کیا شدید نظم وضبط تھا اور کتنی محکم سپہ سالاری تھی لیکن ساتھ ہی جب پیغمبر اسلامؐ یا حضرت علیؑ یہ احساس کرتے تھے کہ فلاں سپاہی یا افسر نرم روی یا مہربانی کا سزاوار ہے جس سے میدان جنگ کے نظام میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہوگا تو ایسے میں وہ حضرات کیا کرتے تھے؟ مجھے یقین ہے کہ ایمان کے سایہ میں خدا سے قریب ہونے والا ایک سپہ سالار اپنے اس مختصر سے فریضہ میں کبھی بھی غفلت سے کام نہ لیتا اور تم بھی اگر قطعی اور فیصلہ کن روش کے ساتھ جس میں فرعونیت کا اظہار نہ ہوتا ہو اپنے ماتحتوں کے ساتھ پیش آؤ تو تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اتفاق سے آج کل سماج کے اداراتی نظام میں یہی صورت حال نظر آتی ہے کہ اداروں کے ذمہ دار فرعونیت میں تو پیش پیش نظر آتے ہیں لیکن کام میں بڑی ڈھیلی ڈھالی اور غیر مستحکم روش پر عمل کرتے ہیں جب کہ ہونا اس کے برعکس چاہئے کہ کام میں تیز ہوں اور انسانیت کا مجسمہ بھی نظر آئیں۔

اس چھوٹی سی بزم میں ایک انجینئر صاحب بھی تھے جنھوں نے اپنے بارہ میں اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ادھر میں بھی سخت مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں ابھی حال ہی میں مجھے ایک جگہ کا ڈائرکٹر بنا دیا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ امید ہے وہاں آپ بہتر طور پر خدمت انجام دیں گے، وہ صاحب بولے یہی تو مصیبت ہے کہ کام نہیں کرنے دیتے اور ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں کہ پریشان بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا میرے دوسرے ہم رتبہ ساتھی کہتے ہیں کہ تمہارا افسر اعلیٰ تم سے بہت ناراض ہے۔ میں نے پوچھا آخر کیوں؟ تو وہ کہنے لگے کہ آپ ادارہ کے اصول کی پابندی نہیں کرتے، میں حیرت زدہ رہ گیا۔ کیا پہلے سے کام تیز اور خوش اسلوبی سے نہیں ہو رہا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کام تو پہلے سے بہتر ہو رہا ہے لیکن آپ اپنے ماتحتوں کو چھٹیاں بہت زیادہ دیتے ہیں۔ میں نے کہا بھائی آپ تو ابھی کہہ رہے تھے کہ کام پہلے سے تیز انجام پا رہا ہے اب ایسے میں اگر میں کسی ملازم کو تھوڑی دیر کی چھٹی دیتا ہوں تو بلا وجہ نہیں دیتا بلکہ اس کی احتیاج وضرورت کی وجہ سے اجازت دیتا ہوں۔ کہنے لگے آپ کا یہ عمل دوسروں کے لئے زحمت کا سبب بنتا ہے۔ میں نے کہا دوسرے بھی اسی طرح اپنے ماتحتوں کو اجازت دیں اور کام کی رفتار تیز کریں۔ وہ بات ٹالتے ہوئے بولے اور دوسری باتیں بھی ہیں مثلاً فلاں روز آفس کی میٹنگ میں جیسے ہی افسر اعلیٰ کی باتیں ختم ہوئیں آپ فوراً اٹھے اور روانہ ہو گئے نہ آپ نے افسر کی دلجوئی کی نہ اس کا احترام بجالائے یہ تو ماتحت کی طرف سے مافوق کا حق ہوتا ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا بھائی میں اس کا اہل نہیں ہوں اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری طرف سے ان سے عرض کر دیں کہ اگر میرا طرز کار ان کے مذاق ومزاج پر پورا نہ اترتا ہو تو مجھے اس خدمت سے معاف ہی رکھیں تاکہ آئندہ آپ کے لئے باعث زحمت نہ بن سکوں۔

میرے اس انجینئر دوست کی زندگی کے مختلف شعبوں میں ایمان رچا بسا ہوا ہے میں اسے عرصہ سے جانتا ہوں یہ درحقیقت اس کا ایمان ہے جو اس سے یہ کہتا ہے کہ اگر آفس کے کارکنوں میں سے کسی کو گھنٹہ دو گھنٹہ چھٹی کی ضرورت ہے جس سے ادارہ کے نظام میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوگا تو کارکن اس کا مستحق ہے۔ وہ بہترین طرز اور ایمانداری کے ساتھ آفس کو چلانا چاہتا ہے وہ جانتا ہے کہ ایمانی نظام صرف مشینی نظام ہی نہیں ہے بلکہ ایسا نظام ہے جس میں پیچ در پیچ مشینی نظام کے علاوہ بھی ایک نظم پایا جاتا ہے اور اس میں مشینی نظام کی بھی پوری رعایت لازم وضروری ہے۔ ایک افسر کو یہ سوچنا چاہئے کہ ایک کارکن جس کی بیوی بیمار ہے اور وہ اسے تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتا ہے۔ اگر اسے ادارہ میں روکے تو کسی طرح بھی سودمند نہ ہوگا۔ وہ الجھن میں گرفتار ہو کر کام ہی نہیں کرے گا۔ اس کے ہم رتبہ افسر ایسے ہی پریشان حال کارکنوں کو اجازت نہیں دیتے جس کے نتیجہ میں کام کی رفتار کند ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب کہ یہ انجینئر لوگوں کو نہیں روکتا پھر بھی پورا کام انجام پا جاتا ہے۔ دراصل ان افسروں کا نظم وضبط بے روح ہے اور

اس انجینئر کا نظم باروح۔ بے روح نظام اپنے آپ سے متعلق لوگوں کی ضروریات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا جب کہ باروح نظام دفتری نظم وادارہ کی بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپسی محبت واحساسات کا بھی خیال رکھتا ہے، لہٰذا وہ اپنے کارکن سے گھر کا کام بھی لیتا ہے۔ ساتھ ہی محبت کا برتاؤ بھی کرتا ہے لہٰذا کارکن بھی اس سے خوش رہتا ہے اور کام میں دلچسپی لیتا ہے۔ غور کیجئے کہ خاندان اہلبیتؑ سے محبت اور ان کے روحانی کمالات کے معترف شاعر فرزدق نے امام چہارم حضرت سجاد علیہ السلام سے متعلق کیا کہا؟ امام سجادؑ وہ ہیں کہ جب کوئی شخص ان کے روبرو ہوتا ہے تو احترام کے پیش نظر ان سے نگاہیں ملانے کی جرأت نہیں کرتا، دراصل یہ احترام ان سے خوف کی بناء پر نہیں ہے بلکہ یہ امام کی روحانی عظمت ہے جو مقابل کو ان کے احترام پر مجبور کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف ان کا مقابل فطری طور سے ان کا احترام کرتا ہے دوسری طرف ان کا حکم بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا وہ جانتا ہے کہ امام اسے دوست رکھتے ہیں لہٰذا وہ بھی ان کو دوست رکھتا ہے۔ یہی روحانی نظام ہے، ایسا نظام ہے جس میں قاطعیت بھی پائی جاتی ہے اور محبت بھی۔

اصل میں یہ بحث ولایت کا ایک حصہ ہے، ولایت اسلامی اور حکومت اسلامی ایک ایسی حکومت ہے جہاں حاکم ومدبر، رعایا اور عوام سب ایک دوسرے سے الفت رکھتے ہیں۔ ولایت کے معنی ہی ایسے ''تسلط'' وحاکمیت کے ہیں جس میں ''محبت'' کا جذبہ برابر سے کارفرما ہو۔ یہاں اداری اور قلبی رشتے باہم یکساں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے الہام وکسب فیض کرتے ہیں۔ بنابریں سفر حج کے آثار میں ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان وہاں ایک ایسی اجتماعی زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے جس میں ایمان کا نفوذ اور اس کی تجلی پائی جاتی ہے۔

حج اور زن ومرد کے باہمی روابط

حج کے اجتماعی آثار کا ایک پہلو، مکہ میں حج کے دوران زن ومرد کے درمیان خصوصی تعلقات وروابط بھی ہیں۔ یہاں دو اہم اور دلچسپ نکتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ جیسا کہ آپ نے فقہی رسالوں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ احرام کے واجبات میں سے ایک وجوبی امر یہ بھی ہے کہ عورت حالت احرام میں اپنا چہرہ نہ ڈھانکے اس بنا پر عورتیں حج میں اس طرح شریک ہوتی ہیں کہ ان کے بال چھپے ہوئے ہوں اور چہرے کھلے رہیں۔ (یہاں ایسی نقاب کا ڈالنا جو چہرے سے ملی ہوئی نہ ہو واجب، مستحب، جائز یا مکروہ ہے یہ ایک دوسری بحث ہے) بہرحال یہ ایک اسلامی حکم ہے کہ عورتیں حالت احرام میں کھلے چہرہ کے ساتھ شرکت کریں۔ دوسری طرف اسلام نے ان دونوں میں ہر طرح کی جنسی لذت سے استفادہ کو حرام قرار دیا ہے یعنی احرام کے حالت میں زن ومرد کو ہر طرح کی جنسی لذت سے (چاہے وہ حلال طریقہ سے ہی کیوں نہ ہو) پرہیز کرنا چاہئے۔ **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔** (سورہ بقرہ:۱۹۷) ''نہ عورت کے پاس جائے، نہ کوئی اور گناہ کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے۔''

اس کی حرام نوعیت کوتو ہمیشہ ہی حرام قرار دیا گیا ہے (جس طرح خدااور رسول سے متعلق جھوٹی بات کہنا ہمیشہ حرام ہے لیکن روزہ کی حالت میں حرام در حرام ہے) اسی طرح حج کے دوران حالت احرام میں حلال نوعیت کی جنسی لذت یابی حرام ہے، لیکن حرام طریقہ سے حرام در حرام ہے۔ بہر حال مراسم حج میں اس روک اور بندش کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے ذہن سے جنسی تلذذ کے تصور کو ہی ان چند دنوں کے لئے دور کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر انسان ان چند دنوں میں اپنی روح کی صحیح تربیت واصلاح کرنا چاہتا ہے تو اسے خود ان افکار سے کنارہ کش ہونا چاہئے تاکہ روحی وفکری اعتبار سے اس کی زندگی کے یہ چند دن پاکیزہ اور صحیح وسالم قرار پائیں۔

حج کے دوران عورتوں کی عفت و پاک دامنی کی تربیت اوراجتماعی طور پر عورتوں اور مردوں کے درمیان بہتر اور منظم روابط وتعلقات کے پروقار انداز اس اجتماعی عبادت کا بہترین اور مؤثر نمونہ ہیں۔ یہ وہ مجرب روش ہے جو ہر سال دہرائی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں بڑھتے اور پھیلتے ہوئے جنسی سیلاب کو روکنے کے لئے بہت سے دوسرے اجتماعی نظاموں سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے، لیکن اس سلسلہ میں ایمان اور اس کے معنوی وروحانی اثر اور باایمان عفت و پاکیزگی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی ایک عورت معاشرہ کے سامنے اس طرح آئے جس سے اس کی ہوس انگیزی کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ ایک عورت جس کا سر، سر کے بال، ہاتھ، پاؤں اور جسم ڈھکا ہوا ہو، اس میں اور نیم عریاں یا جسم کو ظاہر کرنے والے چست لباس جو برہنگی سے بھی بدتر ہے، پہن کر معاشرہ کے سامنے آنے والی عورت میں بڑا فرق ہے (عورت کو اپنا جسم چھپانا ضروری ہے چاہے چادر کے ذریعہ یا جسم کو چھپانے والے لباس وغیرہ کے ذریعہ) حجاب اسلامی کی یہ رعایت وپابندی اگرچہ جنسی واخلاقی فساد کو روکنے میں بہت موثر ہے اور اس کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، معاشرتی برائیوں اور اخلاقی انحطاط کو دور کرنے کا ایک اہم طریقہ یہ بھی ہے کہ مسلمان مرد اور عورتوں کی اس طرح سے تربیت کی جائے کہ دو اجنبی مرد وزن ملاقات کے دوران اپنی رفتار وگفتار کا لحاظ یوں رکھیں کہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں! قرآن حکیم نے ایک مقام پر مردوں اور عورتوں دونوں کو حجاب کی رعایت کا حکم دیا ہے (سورۂ نور: ۳۰-۳۱) اور دوسری جگہ خاص کر مسلمان عورتوں کو پردہ داری کا لحاظ کرنے کی تاکید کی ہے (سورۂ احزاب: ۵۹) اور متعدد مقامات پر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی جانب نگاہ کرنے سے روکا ہے۔ ذیل میں ہم حجاب سے متعلق ایک آیت کا مفہوم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

''اے پیغمبرؐ صاحبان ایمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ عورتوں سے ملاقات کے وقت اپنی نگاہیں ان پر نہ گاڑیں (یعنی نظروں کو جھکائے رہیں) اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ مردوں سے ملتے وقت ان سے آنکھیں نہ ملائیں۔ گویا ایک دوسرے پر نگاہ نہ کریں ان کی ملاقات اور ان کی نگاہیں پاک ہونی چاہئے۔۔۔۔'' (سورۂ نور: ۳۰)

یہ ایک بہت اہم تربیت ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد

ہے کہ ایک وقت وہ بھی تھا جب معاشرہ کے ایک طبقہ میں کم از کم اس تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اب رفتہ رفتہ گذشتہ تیس سال کے عرصہ میں حجاب اور تہذیب کے یہ سارے آثار مٹتے چلے گئے۔ ذرا غور کیجئے ہم نے کتنا بڑا نقصان اٹھایا۔

حج میں ہم عفت کی ''حفاظت'' کے اس اثر کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں کہ کس طرح ایک عورت مردوں کے درمیان سے گذر جاتی ہے اور مرد ایک نگاہ غلط انداز سے بھی اسے نہیں دیکھتے۔ تہران کا ایک مسلمان جو تجارت کے سلسلہ سے جرمنی گیا ہوا تھا اور ہیمبرگ شہر میں مقیم تھا۔ ایک روز دوران گفتگو میں نے اس سے دریافت کیا اب آپ ایران کب تک پلٹیں گے۔[۱] اس ایرانی تاجر نے عجیب جواب دیا: ''کیا عرض کروں، سمجھ میں نہیں آتا کہاں جاؤں؟ یہ حقیقت ہے کہ یہاں کا ماحول بہت خراب ہے، خصوصیت سے عورتوں اور مردوں کے روابط بہت غلط ہیں، لیکن یہ خرابی اور فساد اسی حد تک ہے کہ جب تک ایک عورت خود منحرف اور غلط نہ ہو، اس معاشرہ میں مرد اس سے چھیڑ چھاڑ یا دست درازی کی ہمت نہیں کرسکتا (اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو بہت ہی شاذ و نادر) گویا یہاں اس قدر امن وامان کی فضا برقرار ہے کہ جب میری بیوی گھر سے باہر جاتی ہے تو سڑک پر نہ تو جلدی کوئی اس کا پیچھا کرتا ہے، نہ ہنسی مذاق کی کوشش کرتا ہے اور نہ اغوا کی ہمت کر پاتا ہے، جب کہ ہمارے تہران میں **(شاہی دور میں)** حال یہ ہے کہ اگر غروب آفتاب کے صرف تین گھنٹہ بعد میری بیٹی گھر سے گلی میں جائے تو میں اس کے لئے فکرمند ہو جاتا ہوں۔ جب کہ وہ یہاں رات کے بارہ بجے بھی گھر سے باہر جائے تو میں پریشان نہیں ہوتا۔''

خود اپنے معاشرہ کے لئے یہ طعنہ مجھے بہت زیادہ کھلا۔ درحقیقت یہ بہت بڑا عیب ہے۔ مسلمان معاشرہ کی اخلاقی عفت اور اجتماعی امن وامان کو ہر حال میں برقرار رہنا چاہئے۔ اور حکومت اس سلسلہ میں بہرحال ایک اہم اور مضبوط قدم اٹھا سکتی ہے۔ حقیقتاً ایک مسلمان معاشرہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ ایک عورت آدھی رات کے وقت بھی سنسان سڑک پر پورے امن وامان کے ساتھ راہ طے کرے۔

۞۞۞

[۱] چونکہ خود میرا نظریہ یہ ہے کہ جس کام سے جہاں گیا ہوں، جب تک کام ہے، وہاں رکنے کا حق دار ہوں، کام ختم ہونے کے بعد اپنے معاشرہ میں واپس پلٹ آؤں۔ اور فلاح وارتقاء کا جو بھی کام انجام دوں اپنے ہی معاشرہ میں انجام دوں۔ یہی توقع میں وہاں موجود ایرانی وغیر ایرانی مسلمان طلبہ وتجار سے رکھا کرتا تھا۔ ان سے کہا کرتا تھا، اگر تم یہاں کے اجتماعی نظام کو پسند کرتے ہو تو کرو لیکن یہاں تمہاری حیثیت ایک ناخواندہ مہمان سے زیادہ کی نہیں ہے۔ آخر تم نے یہاں اس نظام کو رائج کرنے میں کون سا کردار ادا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ گویا اس طرح تمہاری زندگی ایک طفیلی زندگی ہو کر رہ گئی کہ دوسرے اپنی محبت وکوشش کے ذریعہ نظام وجود میں لائے جو تمہاری نظروں میں خوش آیند ثابت ہوا۔ اس طرح تو تمہاری انفرادیت خاک میں مل گئی۔ اگر تم خود ایک بہترین نظام کی آرزو رکھتے ہو تو اپنے ماحول ومعاشرہ میں واپس جاؤ اور وہاں ایک اچھا نظام رائج کرنے کی کوشش کرو۔